



سوال

(62) کیا وراثت میں لڑکے اور لڑکی کا حصہ برابر ہے؟

جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قرآن کی رو سے اسلام نے بیٹی کو بیٹے کی نسبت میراث میں آدھا حصہ دیا ہے۔ انسانی حقوق کے علمبردار اسے غیر منصفانہ قرار دیتے ہیں جبکہ ابھی حال ہی میں سندھ ہائی کورٹ کے جسٹس شائق عثمانی نے قرآن کے اس حکم کو تبدیل کرنے اور اجتہاد کرنے کی بات کی ہے۔ کیا قرآن مجید کا یہ حکم غیر منصفانہ اور مساوات مرد و زن کے خلاف ہے نیز کیا قرآن و سنت کے واضح اور صریح احکام اور نصوص میں اجتہاد کیا جاسکتا ہے؟ (عبداللہ لاہور)

الجواب بعون الوهاب بشرط صحیحہ السؤال

و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلوة والسلام علی رسول اللہ، أما بعد!

دور حاضر میں یہود و نصاریٰ مسلمانان عالم کو صراط مستقیم سے ہٹانے کے لیے آئے روز گمراہ کن اور شرانگیز نعرے بلند کر رہے ہیں۔ ان نعروں میں آزادی نسواں، مساوات مرد و زن، منصوبہ بندی، انسانی آبادی کی فلاح و بہبود وغیرہ کی آڑ لے کر شیطانی تہذیب کے دلدادہ اور رسیا ہمہ تن مصروف عمل ہیں تاکہ مسلمانوں کی نئی نسل اور خواتین کو ہدف بنا کر گھر گھر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغاوت کو عام کر دیا جائے۔ مغربی تہذیب کی آشوب سامانیوں کو عام کرنے کے لیے ذرائع ابلاغ کو بھرپور استعمال کیا جا رہا ہے اور دانشوران سوہ جگر اور وکلاء قسم کے لوگ بھی اس کارشر میں نمایاں نظر آ رہے ہیں۔ ان وکلاء اور دانشوران سوء نے مستشرقین کے زیر تربیت اسلامیات کی ڈگریاں لی ہوتی ہیں اس لیے یہ بھی یہود و ہنود کی زبان بولتے ہیں اور رب العالمین کے بھنی برانصاف احکامات پر دشنام طرازیوں اور زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو حکم الحاکمین کی بہ نسبت مخلوق کا زیادہ خیر خواہ قرار دیتے ہیں۔ اسلام نے عورت کو جس قدر حقوق دیئے ہیں اس کی مثال کسی دوسرے مذہب میں ملنی مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اسلام سے قبل عورت کو جس ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ قرآن حکیم نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ فَلَا بُشْرَ لَهَا إِلَّا بُشْرًا مِسْكِينًا ۚ وَمَا يُبْشِرُ بِهِ إِلَّا بُشْرٌ أَلِيمٌ ۚ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرُ بِهِ أَيَسْكُنُ بِهِ أَهْلُ الْقُبُورِ إِلَّا الْبُتْلَىٰ ۚ ﴿٥٩﴾ ... سورة النحل

"اور ان میں سے جب کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور دل میں گھٹنے لگتا ہے۔ اس بری خبر کی وجہ سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ سوچتا ہے کیا اس ذلت کو لیے ہونے ہی رہے یا اسے مٹی میں دبا دے؟ کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں۔"

اس آیت کریمہ میں یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ کہ اسلام سے قبل عورت قہر مذلت میں گری ہوئی تھی۔ اسلام نے اسے عزت و وقار اور عفت و عصمت کا حسین لبادہ پہنایا اور اسے ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے اعتبار سے بہت سے حقوق عطا کئے ہیں۔ اسے ذلت و نامرادی سے نکال کر احترام و وقار کی وادی میں داخل کر دیا۔ لیکن مغربی اقوام اور مغرب زدہ بے راہ رو افراد کو یہ بات گوارا نہ ہوئی۔ انھوں نے حقوق نسواں کے نام سے اسے حجاب اسلامی سے نکال کر سر بازار عریاں کر دیا۔ سیکولر اور لیبرل معاشرے کے افراد نے



عورت کے ان حقوق کو جو اسے اسلام نے عطا کیے۔ ہدف تنقید بنایا۔ معترضین نے عورت کی سربراہی، مردوں کے ساتھ اختلاط، معاشی اور معاشرتی زندگی میں آزادانہ ماحول، دیت و شہادت، حجاب دستار و وراثت کے حکام کو بھجھالا اور فضول و لایعنی قسم کے اعتراضات کئے اور انہیں ظلم و ناانصافی سے تعبیر کیا۔ حالانکہ ایسے افراد نے ہمیشہ عورت کو اس کے اصلی حقوق سے محروم رکھا ہے بالخصوص وراثت کے احکام کو بہت زیادہ پامال کیا ہے۔ اسلام سے قبل عورت وراثت سے بالکل محروم تھی۔ ان کے ہاں یہ تصور تھا کہ عورت نہ تو جنگ میں حصہ لے سکتی ہے اور نہ ہی لپٹنے خاندانی افراد کا تحفظ و دفاع کر سکتی ہے لہذا وہ خاندان کی دولت کی وارث کیسے بن سکتی ہے۔ امام سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور امام قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ کہ:

"ماکان المشرکون یحظون المال للرجال البکبار، ولا یورثون النساء، ولا الاطفال شیئا، فأمر الله: (للمرءات نصیب مما ترک النواذان والافتریون وللنساء نصیب مما ترک النواذان والافتریون مما فقی منہ او کثر نصیباً مفرغاً)"

(تفسیر ابن کثیر 1/494-498) تفسیر ابن ابی حاتم 3/872

"مشرکین مال بڑے مردوں کے لیے مقرر کرتے تھے۔ عورتوں اور بچوں کو وراثت میں سے کچھ نہیں دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔ "مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور زیادہ قرہبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو۔ اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور زیادہ قرہبی رشتہ داروں نے چھوڑا ہو خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ قبل از اسلام عورت وراثت سے محروم رکھی جاتی تھی

تو اسلام نے آکر عورت کو حق وراثت دلوا دیا اور مختلف اعتبارات سے اس کے حقوق کو مقرر فرما دیا۔ یہود و نصاریٰ نے بھی عورت کے اس مسئلہ میں بے انصافی سے کام لیا ہے اگرچہ ان کے ہاں عورت کا حق وراثت ہے لیکن عورت کے لیے لپٹنے ہی خاندان میں شادی کا حکم لگا کر عملاً اس حق کو ختم ہی کر دیا ہے جیسا کہ پرانے عہد نامہ میں کتاب گنتی باب 36 آیت 6، 7، 8 میں ہے کہ:

"سوصلافادی کی بیٹیوں کے حق میں خداوند کا حکم ہے کہ وہ جن کو پسند کریں ان ہی سے بیاہ کریں لیکن لپٹنے باپ دادا کے قبیلہ ہی کے خاندانوں میں بیاہی جائیں۔ یوں بنی اسرائیل کی میراث ایک قبیلہ سے دوسرے قبیلہ میں نہیں جانے پانے کی کیونکہ ہر اسرائیلی کو لپٹنے باپ دادا کے قبیلے کی میراث کو لپٹنے قبضہ میں رکھنا ہوگا۔"

بائبل کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے عورتوں کے اوپر لپٹنے ہی خاندان میں نکاح کی پابندی لگا کر اسے خود آزادی اور وراثت کے اصل قانون سے محروم کر دیا۔ لیکن ان کے پروردہ حضرات جو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے نااہل اور نا آشنا ہیں وہ اسلام کے عدل و انصاف پر مبنی قوانین و احکام پر معترض ہوتے ہیں۔ حالانکہ ذات باری تعالیٰ عادل و منصف ہے اور عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی قانون بھی ظلم و تعدی پر مبنی نہیں ہے اسلام نے وراثت کے بارے میں جتنے قوانین ذکر کئے ہیں تمام عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد کا حق ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَصِيحُمُ اللّٰهُنَّ اَوْلٰیٰکُمْ لِذٰکِرِ مِثْلِ حٰثِرِ الْاٰمِیْنِ ۱۱ ... سورۃ النساء

"اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد کے بارے حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تقسیم وراثت کا ایک اصول بیان فرمایا ہے کہ جب کوئی آدمی فوت ہو جائے تو اس کے ورثاء میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو تقسیم اس طرح ہو گی کہ جتنا حصہ دو لڑکیوں کو ملے گا اتنا حصہ اکیسے لڑکے کا ہوگا۔ یہ تقسیم مبنی برانصاف ہے اس میں ظلم و تعدی کو ذرہ برابر بھی دخل نہیں۔ اسلام کے خاندانی نظام میں معیشت کی تمام ترمذہ داری مرد کے کندھوں پر ہے۔ عورت کو نظام معیشت سے فارغ رکھا ہے اور مرد کو اس کا کفیل بنایا ہے اور مرد پر عورت کے علاوہ اس کے بچوں بوڑھے والدین اور دیگر



ضروریات کا بھی بوجھ ہے بلکہ حق مہر کی صورت میں بھی عورت کے پاس مال آتا ہے اور اس کی ادائیگی بھی مرد کرتا ہے علاوہ ازیں عورت اپنے باپ، بھائی، خاوند اور بیٹے سے بھی حق وراثت باقی ہے مگر اس کا اپنا خرچ اس کے ذمہ نہیں۔ اس کو جو مال وراثت میں حاصل ہوتا ہے وہ اس کے پاس محفوظ ہے۔ چاہے اسے کاروبار میں لگانے یا جمع کر کے رکھ بھجوڑے۔ غرض جیسا چاہے اس مال میں تصرف کر سکتی ہے۔ اس لحاظ سے مرد کو عورت کی نسبت دگنا مال دیا ہے اس لیے اگر عورت کا حصہ نصف کی بجائے مرد کے برابر ہوتا تو یہ مرد پر ظلم تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ظلم نہیں کیا کیونکہ وہ عادل و منصف ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم و عظیم بھی ہے۔ اس کے فیصلے درست ہوتے ہیں جن میں ذرہ برابر بھی ظلم و نا انصافی کو دخل نہیں ہوتا۔

اگر دونوں کا وراثت میں حصہ برابر ہوتا تو عورت کی بجائے مرد یہ مطالبہ کر سکتا ہے کہ میرے اوپر معاشی بوجھ اور ذمہ داریاں ہیں عورت کو بھی اس بارگراں میں شریک کیا جائے اور کچھ ذمہ داریاں اس ڈال دی جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ذمہ داریوں کے تعین کے اعتبار سے اسلام کا نظام وراثت فطری اور منصفانہ ہے۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اعلام الموقعین 2/113 میں یہ وجہ ذکر کی ہے کہ وراثت کا تعلق معاشی ذمہ داری کے ساتھ ہے۔ بیٹا بیٹی کے مقابلے میں باپ کی مالی و معاشی خدمت زیادہ سرانجام دیتا ہے لہذا اس کو باپ کے ترکے میں سے بھی زیادہ حصہ ملنا چاہیے۔ اسلام کے نظام وراثت میں بعض صورتیں ایسی ہیں کہ مرد اور عورت کو برابر حصہ دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالْوَالِدَاتُ لِكُلِّ وَاٰدٍ مِمَّا لَدُنَّكَ اِنْ كَانَ لَكُمْ ذُرِّيٌّ

۱۱ ... سورۃ النساء

"میت کے ماں اور باپ میں سے ہر ایک کے لیے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹنا حصہ ہے اگر اس میت کی اولاد ہو۔"

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ میت کی اولاد کی صورت میں ماں باپ کا حصہ برابر ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کا برابر حصہ ذکر کر دیا ہے۔ اور بعض صورتوں میں عورت کا حصہ مرد کی نسبت سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر میت کے ورثاء میں ایک بیٹی اور دو بھائی ہیں تو ایک بیٹی کے حصے لے گی اور باقی نصف دونوں بھائیوں میں برابر تقسیم ہوگا۔ اس طرح یہاں میت کے بھائی کے مقابلے میں بیٹی زیادہ حصہ لے رہی ہے اس لیے کہ وراثت میں زیادہ قریبی رشتہ داروں کا حق زیادہ ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسلام میں وراثت کے معاملے میں عورت سے کہیں بھی ظلم و ستم اور نا انصافی سے کام نہیں لیا گیا۔ کہیں مرنے والے کے ساتھ عورت کو زیادہ قربت کی بنا پر اہمیت دی گئی ہے جبکہ دوسری طرف مرد کی معاشی ذمہ داریوں کو مد نظر رکھتے ہوئے فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس بنیاد پر وراثت میں عورت کا حصہ کہیں کم اور کہیں زیادہ دے کر عدل و مساوات کی مثال قائم کر دی گئی ہے لہذا سندھ ہائی کورٹ کے جسٹس شائق عثمانی کی بات اسلام کے متضادم ہونے کے ساتھ ساتھ توہین احکم الحاکمین بھی ہے جس پر انہیں سچی توبہ کرنی چاہیے بلکہ ایسے مغرب زدہ اور بے راہرو افراد کو کرسی عدالت پر فائز کرنا خود غیر منصفانہ اور ظالمانہ فیصلہ ہے اور کرسی عدالت کی توہین ہے۔

رباقرآن حکیم کی واضح نصوص اور احکام صریح میں اجتہاد کا دروازہ کھولنا، یہ سراسر عبث اور لغو بات ہے۔ حنفی علماء کے ہاں تو اجتہاد و قیاس کا دروازہ چوتھی صدی ہجری سے بند ہو چکا ہے۔ جیسا کہ علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی نے سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر ص 190، 191، میں لکھا ہے کہ:

"علیٰ ان الصیاس بعد الاریع مانۃ مستقطع، فلیس لاحد بعدہا ان لیتقی مسألتہ علی مسألتہ [120]- كما صرح به العلامة من عن ابن نجیم [121] فی رسالہ"

"قیاس چار صدیوں کے بعد سے مستقطع ہے اس کے بعد کسی کے لیے اس بات کی گنجائش نہیں کی ایک مسئلے کو دوسرے مسئلے پر قیاس کرتا رہے جیسا کہ علامہ ابن نجیم نے اپنے رسائل میں ذکر کیا ہے۔"

جبکہ اہلحدیث کے ہاں مسائل منصوصہ میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں لیکن وہ مسائل جو صراحتاً کتاب و سنت سے ثابت نہیں ان کے بارے میں کتاب و سنت سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اس شرط کے تحت وہ علماء جو کتاب و سنت کے فہم سے منور ہیں اور عربی لغت نحو و صرف وغیرہ جیسے فنون کے ماہر ہیں۔ ان کے لیے اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے۔



قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"الاجتہاد فی القطعیات" (ارشاد النحول ص 371)

"وہ مسائل جو نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں ان میں اجتہاد نہیں۔"

میرے شیخ حافظ ثناء اللہ زاہدی حفظہ اللہ تلخیص الاصول ص 77، 78، میں رقم طراز ہیں کہ:

"کھ ما ثبت بدلیل لم یقطع بثبوتہ ولا بدالائتہ واختلف العلماء فیہ ہو مجال الاجتہاد، وكذلك الوقائع والنواریل التي لم تشملها الأدلۃ نصاً ولم یسبق البحت فیہا وأما ما مجموعاً علیہ مما دلت علیہ النصوص قطعاً، فلا یجوز فیہ الاجتہاد".

"ہر ایسا مسئلہ جو ایسی دلیل سے ثابت ہو جو ظنی الثبوت اور ظنی الدلالت ہو اور اس میں علماء کا اختلاف ہو۔ وہاں اجتہاد کیا جاتا ہے اور اسی طرح ایسے حالات و واقعات جو نصوص سے ثابت نہ ہو اور نہ ان میں بحث کی گئی ہو۔ لیکن وہ اجماعی مسائل جن پر کتاب و سنت کی قطعی ادلہ موجود ہیں ان میں اجتہاد جائز نہیں۔"

نیز ملاحظہ ہو: الاحکم للآئمذی 3/206، المستقصى للغزالی 2/354، اصوال الفقہ ل محمد سلام ص 344، الاجتہاد للذکور عبد المنعم ص 29، 1، 30، الفقہ للرحیل 2/1053۔

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ جس مسئلہ میں کتاب و سنت کی صریح ادلہ موجود ہیں وہاں اجتہاد کی گنجائش نہیں لیکن وہ مسائل جو صراحتاً ثابت نہ ہوں ان کے لیے کتاب و سنت سے استدلال کیا جاتا ہے اور وراثت کا یہ مسئلہ کتاب و سنت کی نصوص صریحہ صحیحہ سے ثابت ہے۔ اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں۔ ایسے مسائل میں اجتہاد کا دروازہ کھولنا بے دینی اور الحاد کو راہ دینا ہے اور جو لوگ ایسے مسائل میں اجتہاد کی راہ نکال رہے ہیں وہ گمراہ اور دجال ہیں۔ اللہ تعالیٰ کتاب و سنت کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشنے۔

حداماعندی واللہ اعلم بالصواب

آپ کے مسائل اور ان کا حل

جلد 2۔ کتاب المیراث۔ صفحہ نمبر 495

محدث فتویٰ